© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فکر و نظر

بسنت اور ثقافتی لبرل ازم

ثقافت اور کلچر کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ وہ زندگی کی روحانی، فکری، مذہبی اور اخلاقی قدروں کی مجسم تصویر کا نام ہے۔ سچائی، حسن، خیرمحض، انصاف اور محبت اِسی کلچر کی کرنیں ہیں۔ ثقافت نام ہے ایک طرزِ فکر، تخلیقی روایت اور طرزِ معاشرت کا، جس میں زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ راست بازی، نگاہ کی بلندی اور کردار کی پاکیزگی قرار پاتی ہے۔ ①

دنیا کے بڑے بڑے فلسفیوں، پیغمبروں اور دانشوروں کا کہنا ہے کہ بلند قدروں کا بنیادی سر چشمہ خدا کی ذات ہے جو تمام چیزوں کا پیمانہ ہے: God is the measure of all things اس کی وجہ یہ ہے اگر آدمی کا رشتہ خدا سے ٹوٹ جائے تو پھر وہ تخیل کی دنیا میں پرواز کرتا ہوا حقائق اور انسانیت سے تغافل بھی برت سکتا ہے۔ ②

انیسویں صدی کے معروف انگریز شاعر اور فلسفی میتھو آرنلڈ نے ثقافت کے فکری پہلو کو اُجاگر کرتے ہوئے کہا تھا: "Culture is the creation of the best minds"

یعنی ''ثقافت بہترین اذہان کی تخلیق کا نام ہے۔''

پروفیسر کرار حسین لکھتے ہیں:

''کلچر ایک ملغوبہ ہے، مذہب + ہسٹری + جغرافیہ کا۔ ہندوؤں کے کلچر اور ہمارے کلچر میں صرف جغرافیہ دونوں طرف ہے۔ ہسٹری اور مذہب ہمیں جدا کرتے ہیں۔'' ③

معروف جرمن مؤرخ و فلسفی اسوالڈ سپنگلر کا کہنا ہے کہ

''ثقافت (کلچر) مافوق الطبیعات اَفکار پر یقین رکھنے کا نام ہے جن کے لئے انسان اپنی جان بھی دے سکتا ہے۔''

نامور مصری ادیب ڈاکٹر طٰہٰ حسین کے بقول:

---

① پاکستان کا ثقافتی ورثہ از شیخ محمد اکرام، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ص ۵

② ہمارا ثقافتی ورثہ از ڈاکٹر رشید احمد جالندھری

③ پی ٹی وی لیکچر، نقل کردہ...... 'روشنی چراغوں کی' از صادق نسیم

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

''کلچر یا ادب ایک بلند قدر ہے جو کسی نظریہ کی آلہ کار نہیں بنتی۔''

ڈاکٹر رشید جالندھری صاحب کا یہ کہنا بھی درست ہے کہ

''کلچر کا تعلق اپنی سرزمین، مقامی رہن سہن، رسم ورواج اور زبان وادب سے بھی ہوتا ہے۔''

جو لوگ کلچر کو محض رقص وسرود تک محدود سمجھتے ہیں اور جن کا تخیل کلچر کے متعلق طوائف کے کوٹھے کے حدود اربعہ کے باہر سوچنے سے قاصر ہے، ان کے لئے کلچر کا مندرجہ بالا سطور میں پیش کردہ تصور شاید قابل فہم نہ ہو۔ ایسے افراد جو ہر طرح کے لہو ولعب اور خرافات کو قومی کلچر بنا کر پیش کرتے ہیں، ممکن ہے ان کے اَذہان بھی کلچر کے اس ارفع تصور کو قبول کرنے میں تامل محسوس کریں، مگر حقیقت یہ ہے کہ کلچر کا حقیقی تصور یہی ہے جس کا خلاصہ اس مضمون کی تمہید کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

تہوار ایک ایسا موقع ہے جو کسی خاص حوالہ کے ساتھ کسی مذہب کے پیروکار اپنے کیلنڈر کے مطابق ہر سال مناتے ہیں۔ یہ حوالہ کسی تاریخی واقعہ کی یاد میں ہوسکتا ہے، اور کوئی مذہبی فریضہ اس کی شکل میں ممکن ہوسکتا ہے، لیکن ایک حقیقت جو کہ ہر جگہ درست نظر آئے گی وہ یہ ہے کہ تہوار ایک تاریخی عمل کی حیثیت سے مذہب اور مذہب کے پیروکاروں کے لیے یگانگت اور مذہبی وحدت کی بہت عظیم بنیاد ہے اور تاریخی طور پر ہمیشہ زندہ رہنے والی مثال ہے۔ عمومی طور پر مذہب سے منسلک تہوار معاشرتی رنگ میں ڈوب کر بھی واضح رہتے ہیں۔ (۴)

تہوار منانے کے طریقے مختلف اقوام میں مختلف ہوتے ہیں۔ ہندوؤں میں تہوار منانے کے خاص طریقے ہیں۔ ہندوؤں کے تہواروں کے نام تو وہی ہیں لیکن ان کے طریقے بدل گئے ہیں۔ بعض تہواروں کے منانے کے طریقے میں برائے نام فرق کر دیا گیا ہے اور بعض کو مذہبی اُمور میں بہ تغیر نام شامل کر دیا گیا ہے۔ (۵)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

''تہوار منانے کے طریقے دنیا کی مختلف قوموں میں بے شمار ہیں۔ کچھ میں صرف کھیل کود اور راگ رنگ اور لطف وتفریح تک ہی تہوار محدود رہتا ہے۔ کہیں تفریحات تہذیب کی حد سے گزر کر فسق وفجور اور ناشائستگی کی حد تک پہنچ جاتی ہیں۔ کہیں مہذب تفریحات کے ساتھ کچھ سنجیدہ مراسم بھی ادا کیے جاتے ہیں۔ اور کہیں ان اجتماعی تقریبات سے فائدہ اُٹھا کر لوگوں میں اعلیٰ درجہ کی روح پھونکنے اور کسی بلند نصب العین کے ساتھ محبت اور گرویدگی پیدا کرنے

---

(۴) و (۶) نشری تقریریں از ابوالاعلیٰ مودودیؒ، ص ۸۵ (۵) رسومِ دہلی از سید احمد دہلوی، مترجم سید یوسف، ص

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

کی کوشش کی جاتی ہے۔ غرض ہر ایک قوم کا تہوار منانے کا طریقہ گویا ایک پیمانہ ہے جس سے آپ اس کے مزاج اور اس کے حوصلوں اور اُمنگوں کو اعلانیہ ناپ کر دیکھ سکتے ہیں۔ جتنی بلند روح کسی قوم میں ہوگی، اتنے ہی اس کے تہوار اخلاقی اعتبار سے مہذب اور پاکیزہ ہوں گے۔ اس طرح اخلاقی اعتبار سے کوئی قوم جتنی پست ہوگی وہ اپنے تہواروں میں اتنے ہی مکروہ مناظر پیش کرے گی۔''(۶)

اسلامی تہوار ایک عجیب ثقافت، شان، شائستگی اور اخلاقی بلندی کے حامل ہوتے ہیں۔ اس میں نہ لہو ولعب ہوتا ہے، نہ گھٹیا تفریحات۔ ان کا بنیادی نصب العین ملتِ اسلامیہ میں اتحاد، بھائی چارہ، محبت اور یگانگی پیدا کرنا اور پاکیزہ اطوار دینا ہے۔

بسنت اور آزادروی

ہمارے ہاں دانشوروں کا ایک مخصوص طبقہ بسنت کو 'ثقافتی تہوار' کا نام دیتا ہے۔ مگر گذشتہ چند برسوں سے 'بسنت' کے نام پر جو کچھ کیا جارہا ہے، اسے زندگی کی روحانی، فکری اور اخلاقی قدروں کی مجسم تصویر نہیں بلکہ 'تذلیل' کہا جانا چاہئے۔

بسنت کے موقع پر جس طرح کی 'ثقافت' کا بھرپور مظاہرہ کیا جاتا ہے، کوئی بھی سلیم الطبع انسان اسے 'بہترین اذہان کی تخلیق' نہیں کہہ سکتا۔

بسنت ایک ایسے طرزِ معاشرت کو پروان چڑھانے کا باعث بن رہا ہے جس میں کردار کی پاکیزگی کی بجائے لہو ولعب سے شغف، اوباشی اور بے حیائی کا عنصر بے حد نمایاں ہے۔

گذشتہ چند برسوں سے بسنت کو زبردستی لاہور کے ایک ثقافتی تہوار کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ تاریخی طور پر بسنت ایک ہندووانہ تہوار ہی تھا مگر جو رنگ رلیاں، ہلڑ بازی، ہاؤ ہو، لچرپن، بے ہودگی، ہوسناکی، نمود ونمائش اور مادّہ پرستانہ صارفیت بسنت کے نام نہاد تہوار میں شامل کردی گئی ہے، اس کا تاریخ سے کوئی تعلق ہے، نہ اہل پاکستان کی ثقافت اسے کبھی گوارا کرسکتی ہے۔ یہ بالکل نئی شروعات ہیں جنہیں تفریح و ثقافت کے نام پر پاکستان میں متعارف کرایا جارہا ہے۔

لاہوری بسنت کا اہم ترین مظاہرہ 'بسنت نائٹ' کو دیکھنے میں آتا ہے۔ بسنت نائٹ جسے 'شبِ عشرت' کہنا زیادہ مناسب ہے، پندرہ بیس سال پہلے اس کا وجود تک نہ تھا اور آج اس کے بغیر شاید بسنت کا سارا فیسٹیول 'پھیکا اور بے مزہ' نظر آئے۔

بسنتی تماش بینوں کے لئے 'بسنت نائٹ' ہی سب سے پرکشش اور ان کی ہوسناکی کی

© rasailojaraid.com

تسکین کا مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ ۲۰۰۰ء سے سرکاری سرپرستی نے اس ہوش ربا شبِ عشرت کے رنگِ حنا کو اور بھی چمکا دیا ہے۔ بسنتی پروانے شبِ بسنت کو تابناک شمع سمجھ کر اس پر ایسے جھپٹتے ہیں کہ اہالیانِ لاہور کی زندگیاں اجیرن بنا دیتے ہیں۔ لاہور کی سڑکوں پر ٹریفک کا اتنا بڑا اژدہام کبھی نظر نہیں آتا۔ دور و دراز سے بسنتی پروانے شبِ بسنت کی بھیگی منور زلفوں کے معمولی لمس کی حسرت دلوں میں لئے دیوانہ وار لاہور پر ٹوٹ پڑتے ہیں، اندرونِ لاہور ہوٹلوں، بڑے پلازوں اور بعض زندہ دلانِ لاہور کے مکانات کی چھتیں بسنت نائٹ کو طوائف کے کوٹھے اور انگریز دور کے جمخانہ جیسے میکدے سے زیادہ بارونق نظر آتے ہیں۔

بسنت نائٹ کو بازاری عورتیں جسم فروشی سے چاندی بناتی ہیں تو لاہور بے ملٹی نیشنل کمپنیوں اور بڑے تاجروں کو اپنے مکانات کی چھتیں کرائے پر دے کر ایک ہی رات میں لاکھوں کی کمائی کرتے ہیں۔ کئی کئی ہفتے پہلے ان چھتوں کے سودے ہوجاتے ہیں۔ اندرونِ لاہور کی چھتیں بسنت نائٹ منانے کے لئے پچاس ہزار سے لے کر ۱۰ لاکھ تک بک کی جاتی ہیں۔ ان چھتوں پر صرف لذتِ کام و دہن کا ہی اہتمام نہیں ہوتا، ذوقِ سماعت کے لئے راگ رنگ اور ہوس ناک نگاہوں کی تسکین کا بھی پورا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔ شراب و کباب، موسیقی، پری زاد چہرے، رقص، جلوے؛ غرض کیا کچھ نہیں ہوتا۔ بسنت نائٹ، شبِ غنا اور شبِ گناہ کا بہت ہی کریہہ منظر پیش کرتی ہے۔

لاہور شہر کے ہوٹلوں کی چھتیں ہی نہیں، کمرے بھی بسنتی ذوق کے مطابق آراستہ کئے جاتے ہیں۔ شام ڈھلتے ہی ان چھتوں پر راگ رنگ، ناؤ ونوش، موسیقی اور پتنگ بازی شروع ہوجاتی ہے۔ ایسی محفلوں میں شراب پانی کی طرح چلتی ہے۔ بسنت نائٹ پر ان ہوٹلوں میں کمروں کے نرخ چار پانچ گنا بڑھ جاتے ہیں۔ باذوق تماش بین ایسے ہوٹلوں میں اپنی چاہت کے کمروں میں قیام کے لئے لاکھوں روپے خرچ کرنے سے بھی پس و پیش نہیں کرتے۔ ان ہوٹلوں کی راہداریوں میں جا بجا نشے میں دھت جوڑے جھولتے لڑکھڑاتے نظر آتے ہیں۔ لاہور شہر میں جنسی بے راہ روی کتنی ہے، اور بازاری عورتوں کے لاؤلشکر کس قدر زیادہ ہیں، اس کا اندازہ اگر کوئی کرنا چاہے تو بسنت نائٹ سے زیادہ موزوں شاید کوئی دوسرا موقع نہ ہو۔

© rasailojaraid.com

بسنت اور ملٹی نیشنل کمپنیاں

بسنت کے موقع پر مال روڈ، جیل روڈ، گلبرگ بلیووارڈ، فیروز پور روڈ اور دیگر اہم شاہرات پتنگوں کی شکل کے بورڈوں اور اشتہارات سے مزین کردی جاتی ہیں۔ان شاہراہوں پر سفر کرنے والے کی نگاہیں ان پتنگوں سے چھٹکارا نہیں پاسکتی۔ ٹیلی ویژن اور اخبارات بھی ایسے اشتہارات اور بسنتی پروگراموں کو بھرپور کوریج دیتے ہیں۔ پی ایچ اے اور دیگر سرکاری اداروں کے تعاون سے بڑے زبردست 'ثقافتی' پروگرام منعقد کئے جاتے ہیں۔شاہی قلعہ، حمام، ریس کورس اور دیگر مقامات پر رنگارنگ تقریبات کی جاتی ہیں جن پر لاکھوں روپیہ خرچ کیا جاتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ سرکاری ادارے اپنے بجٹ سے یہ رقم خرچ نہیں کرتے بلکہ ملٹی نیشنل کمپنیاں اور کاروباری ادارے یہ پروگرام سپانسر کرتے ہیں۔ ۲۰۰۳ء میں بسنت کے موقع پر کوکا کولا نے ۴۵ لاکھ روپے اور پیپسی کولا نے ۳۵ لاکھ روپے کی خطیر رقم اس طرح کے پروگرام اور شاہراہوں کو سجانے کے لئے عطیات کے طور پر دی۔ یہ وہ اعداد وشمار ہیں جو پی ایچ اے نے صوبائی اسمبلی کے ایک معزز رکن کے سوال کے جواب میں دیئے۔سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کثیر القومی تجارتی ادارے پاکستان کے ایک نام نہاد ثقافتی تہوار کی رونق کو دوبالا کرنے کے لئے اس قدر فیاضی اور سخاوت کا مظاہرہ کیوں کرتے ہیں؟ اس کا سیدھا سادا جواب یہ ہے کہ انہیں ہماری ثقافت سے کوئی دلچسپی نہیں، درحقیقت وہ ایک ایسی ثقافت کو فروغ دینا چاہتے ہیں جو اُن کی تجارت کو پروان چڑھا سکے۔

مغربی سرمایہ دارانہ نظام کے اُصولوں کو فروغ دینے والی یہ کمپنیاں تجارت کے ساتھ ساتھ ثقافتی لبرل ازم کا ایجنڈا بھی رکھتی ہیں۔ان کا کاروبار مغربی کلچر کو پروان چڑھائے بغیر فروغ نہیں پاسکتا۔ یورپ اور امریکہ میں ان یہودی تاجراداروں نے پہلے ایک مخصوص لبرل کلچر کو ترقی دی، بعد میں اس موزوں کلچر کی وجہ سے ان کا کاروبار خوب چمکا۔آج صورت یہ ہے کہ امریکہ میں پیاس بجھانے کے لئے شاید ہی کوئی امریکی سادہ پانی کا گلاس پیئے۔کوکا کولا اور اس طرح کے مشروب ہی ان کے لئے پانی کی جگہ لے چکے ہیں۔ پاکستان میں بھی حالیہ برسوں میں ان مغربی مشروبات کی کھپت میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔

مغربی سرمایہ دارانہ نظام نے جس صارفیت کو جنم دیا ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ

© rasailojaraid.com

لوگوں کو خاندانی ماحول سے نکال کر بازار اور منڈی کے مخلوط ماحول میں لاکھڑا کیا جائے جس میں لہوولعب، فارغ البالی اور جنسی بے راہ روی کو بنیادی حیثیت حاصل ہو۔ امریکی تھنک ٹینک ان ملٹی نیشنل اداروں کو ثقافتی ایجنڈا بھی سونپتے ہیں۔ ترقی پذیر ممالک کے کلچر کو مغربی کلچر کے مطابق ڈھالنا ان کے اس ایجنڈے کا اہم نکتہ ہے۔ پاکستان میں میکڈونلڈ نقصان میں جارہا ہے، مگر وہ اپنے کسی بھی سیل پوائنٹ کو بند نہیں کررہے۔ امریکہ سے آنے والے ایک باخبر پاکستانی کا کہنا ہے کہ میکڈونلڈ نے پاکستان میں اپنے ریستوران کا جال بچھا کر امریکہ میں اچھی خاصی subsidy (امداد) حاصل کی ہے۔

ان کا ثقافتی ایجنڈا یہ ہے کہ پاکستانیوں کو مشرقی کھانوں سے بیزار کرکے امریکی کھانوں کی رغبت دی جائے۔ امریکہ دنیا میں سیاسی نظام کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ اپنی ثقافتی اقدار کو بھی مسلط کرنا چاہتا ہے۔ مگر افسوس ہمارے پالیسی ساز اس خطرناک ایجنڈے کا اِدراک کرنے سے قاصر ہیں۔ وہ محض اس بات پر ہی خوش ہیں کہ انہیں بسنت منانے کے لئے ملٹی نیشنل کمپنیاں کروڑوں روپے دے رہی ہیں اور ان کی جیب سے کچھ خرچ نہیں ہورہا۔ ان سکوں کی جھنکار میں پاکستان پر غیر محسوس طریقے سے جو ثقافتی یلغار کی جارہی ہے، اس کے خطرناک مضمرات سے چشم پوشی بے حد افسوس ناک ہے۔ ملٹی نیشنل کمپنیاں بسنتی تہوار کے ذریعے کس طرح کا کلچر پروان چڑھانا چاہتی ہیں، اس کا اندازہ ان کی طرف سے دیئے گئے اشتہارات اور جابجا نصب کردہ بسنتی بورڈوں پر درج شدہ ان نعروں سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

۲۰۰۳ء کے بسنت کے موقع پر پیپسی کولا نے اپنے بورڈوں پر یہ نعرہ درج کیا:

سارے لہور دی اِکو ٹور — پیپسی گڈیاں، بھنگڑے ڈور
بسنت مناواں، پینگاں پاواں — کھابے کھاواں، موج اڑاواں

ایک اور ملٹی نیشنل کمپنی نے کپڑے کے بسنتی بینروں سے لاہور شہر کو سجا رکھا تھا اس پر تحریر تھا:

ع رقص میں ہے سارا جہاں

یہ ملٹی نیشنل کمپنیاں پاکستان میں کھابے کھانے اور موج اُڑانے کا کلچر پروان چڑھا کر پاکستان کی نوجوان نسل کو اس کی فکری اَساس اور ان بلند ثقافتی قدروں سے محروم کرنا چاہتی ہیں جن کے بغیر کوئی بھی قوم ثقافتی عروج حاصل نہیں کرسکتی۔ ان بلند ثقافتی اقدار کا ذکر اس مضمون کی تمہید میں کردیا گیا ہے، قارئین خود ہی موازنہ کرلیں۔

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

بسنت پر انسانی جانوں کا زیاں

بسنت کے پردے میں پاکستان میں رقص وسرود،لہوولعب اور بے حیائی کو فروغ دینے کے لئے ملٹی نیشنل کمپنیاں بھاری سرمایہ کاری کررہی ہیں۔بسنتی لہوولعب کے بڑھتے ہوئے رجحان سے جہاں ہماری ثقافتی اقدار کا جنازہ نکل رہا ہے، وہاں قاتل بسنت کے ہاتھوں اپنی جانیں ہار جانے والوں کے جنازے بھی سال بہ سال اُٹھ رہے ہیں۔ دھاتی ڈور سے شہ رگ کٹنے کے واقعات پڑھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ بسنت کے دنوں میں چھتوں سے گر کر اور گاڑیوں سے ٹکرا کر مرنے اور زخمی ہونے والوں کا ذکر بھی کچھ کم روح فرسا نہیں ہے۔کاش کہ فلڈ لائٹوں کی مصنوعی چکا چوند روشنی میں پتنگ بازی کا شغل برپا کرنے والوں کو احساس ہوتا کہ کتنے معصوم شہری موت کے اندھے غار میں اُتر جاتے ہیں۔

بسنت کے موقع پر کتنے لوگ ہلاک اور زخمی ہوتے ہیں، اس کا باقاعدہ ریکارڈ رکھنا تو بہت مشکل ہے ۔گزشتہ چند سالوں سے اخبارات میں دھاتی تار کی وجہ سے بجلی کا کرنٹ لگنے اور شہ رگ پر ڈور پھرنے کی وجہ سے ہونے والی ہلاکتوں کی خبریں شائع ہوئی ہیں،مگر بسنت کے موقع پر چھتوں سے گر کر، گاڑیوں سے ٹکرا کر اور دیگر وجوہات سے زخمی ہونے والوں کے حتمی اعداد وشمار کو جمع کرنا بے حد مشکل ہے۔ ۲۰ر فروری ۲۰۰۰ء کو روزنامہ انصاف نے ۱۹۹۵ء سے لیکر ۲۰۰۰ء تک بسنت کے دنوں میں ہلاک اور زخمی ہونے والوں کی تعداد کے بارے میں ایک رپورٹ شائع کی جس کے مطابق :

سال	ہلاکت	زخمی	سال	ہلاکت	زخمی
۱۹۹۵ء	۶	۲۰۰	۱۹۹۸ء	۶	۵۰۰
۱۹۹۶ء	۷(۲ بچے)	۲۵۰	۱۹۹۹ء	۳	۶۷۵
۱۹۹۷ء	۳	۸۰۰	۲۰۰۰ء	۸	۷۱۳

۲۰۰۳ء میں لاہور میں ۱۰ قیمتی جانیں بسنت کی 'خوشیوں' کی نذر ہوئیں۔ جبکہ ۲۰۰ سے زائد افراد زخمی ہوکر اور اندھی گولیوں کا نشانہ بن کر ہسپتالوں میں پہنچے۔نوائے وقت کی خاتون مضمون نگار رفیعہ ناہید پاشا نے ۱۹ر جنوری ۲۰۰۴ء کو گذشتہ تین برسوں کے دوران پتنگ بازی کے باعث پیش آنے والے چند دلخراش واقعات کی رپورٹ پیش کی ہے۔ اسے پڑھ کر ایک

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

حساس آدمی جذبات پر قابو نہیں رکھ سکتا۔ وہ لکھتی ہیں:

''۲ جولائی ۲۰۰۳ء کے صرف ایک ہفتے میں تین افراد قاتل ڈور کا شکار ہوئے۔ ۱۴ سالہ طالب علم ندیم حسین شام کو ٹیوشن پڑھ کر موٹر سائیکل پر گھر واپس آرہا تھا، اس کی گردن پر کٹی پتنگ کی ڈور پھر جانے سے اس کی شہ رگ کٹ گئی۔ اس سے پہلے کہ کوئی مدد کو آتا وہ کلمہ چوک کے قریب جان جانِ آفرین کے سپرد کرچکا تھا۔ لاش گھر پہنچی تو کہرام مچ گیا۔ وہ میٹرک کے امتحان کی تیاری کررہا تھا اور ماں بہنیں جنھوں نے اس کے تابناک مستقبل کے حوالے سے کئی خواب دیکھ رکھے تھے، اس کی کتابیں ہاتھ میں لئے بے بسی سے آنسو بہاتی رہیں، جوان بیٹوں کے لاشے وصول کرنا آسان نہیں ہوتا۔ ادھیڑ عمر ماں لاش سے لپٹ کر دیر تک روتی رہی۔

اسی طرح مکھن پورہ کا رہائشی مبین شاہد اپنی اہلیہ اور تین سالہ بیٹے فہیم کے ساتھ موٹر سائیکل پر سوار ہوکر سسرال جارہا تھا کہ اچانک مزنگ کے قریب فہیم خون میں لت پت ہوگیا۔ دونوں میاں بیوی وحشت سے چیخ و پکار کرنے لگے تو علم ہوا کہ ڈور بچے کی شہ رگ کاٹ چکی ہے۔ چند لمحوں کے اندر اندر فہیم نے باپ کی گود میں تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔'' (نوائے وقت)

معروف کالم نگار حسن نثار نے 'بسنتی قتل عام' کے عنوان سے تحریر کردہ کالم میں ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھا:

''ایک اور حادثہ کا میں جزوی طور پر عینی شاہد ہوں، میں نے کلمہ چوک کے قریب معصوم خون کا وہ بہت بڑا دھبہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، جس کا تعلق ایک ایسے نو عمر لڑکے سے تھا جو کئی بہنوں کا اکلوتا بھائی ہونے کے ناطے پورے خاندان کی جان تھا اور یہ جان بھی بے رحم ڈور نے لے لی۔ اک اور گھر کا چراغ پتنگ بازی نے گل کردیا۔'' (جنگ: ۲/ جولائی ۲۰۰۳ء)

علیٰ ہذا القیاس پتنگ بازی کے ہاتھوں ہلاک ہونے والے کس کس کا نام لیا جائے۔ خود حکومت ِپنجاب نے حال ہی میں صوبائی اسمبلی میں ایک رکن اسمبلی کے سوال کے جواب میں جو رپورٹ دی ہے، اس کے الفاظ ملاحظہ کیجئے:

''پتنگ بازی کے نتیجہ میں لاہور شہر میں قیمتی جانوں کا ضیاع ہوا ہے۔ اعداد و شمار کے مطابق بسنت کے دوران صرف لاہور شہر میں ۴۲/ افراد ہلاک ہوئے جبکہ ۴۲۵/ افراد زخمی ہوئے۔ لیکن حکومت ِپنجاب کی طرف سے پتنگ بازی پر پابندی عائد کرنے کے بعد ان قیمتی جانوں کا ضیاع تقریباً ختم ہوگیا ہے۔ موٹر سائیکل سوار نوجوان گلے پر ڈور پھرنے کی وجہ سے جاں بحق ہوئے۔ لیکن حکومت کی طرف سے دھاتی تار اور کیمیکل ڈور پر پابندی لگنے کے بعد یہ اموات نہ ہونے کے برابر ہیں۔'' (اسمبلی ریکارڈ)

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

یاد رہے کہ یہ جواب اسمبلی میں ۱۷/اکتوبر ۲۰۰۳ء کو داخل کرایا گیا اور ۱۲/جنوری ۲۰۰۴ء کو زیر بحث لایا گیا۔ ایک طرف رفیعہ ناہید پاشا کی طرف سے بیان کردہ دلخراش واقعات اور حکومت ِپنجاب کی رپورٹ ہے، مگر دوسری طرف ہمارے پیش نظر ایک صوبائی وزیر کا بیان ہے۔ مؤرخہ ۸/جنوری ۲۰۰۴ء کو ایک مقامی ہوٹل میں بسنت فیسٹیول کے آرگنائزر کی طرف سے منعقدہ تقریب سے خطاب کرتے ہوئے انسانی جانوں کے حوالے سے فرمایا:

''اس سے کہیں زیادہ ہلاکتیں، ڈکیتیوں، ٹریفک حادثات اور خودکشیوں میں ہوتی ہیں، اس پر کوئی نہیں بولتا۔'' (نوائے وقت)

مجھے یاد ہے کہ معروف کالم نگار جناب عطاء الحق قاسمی نے بھی ۲۰۰۱ء میں روزنامہ 'پاکستان' میں شائع ہونے والے اپنے ایک انٹرویو میں بسنت کے جواز میں کچھ اس طرح کا استدلال پیش کیا تھا، مگر ۲۰۰۳ء کے بسنت کے موقع پر انہوں نے برملا اعتراف کیا کہ بسنت جیسی عوامی تفریح کو مافیا نے اپنی عیاشی اور نمود ونمائش کا ذریعہ بنالیا۔ (کالم مؤرخہ:۱۷/فروری ۲۰۰۳ء)

اگر غور کیا جائے تو ڈکیتیوں، ٹریفک حادثات اور خودکشیوں کے نتیجے میں ہونے والی ہلاکتوں اور پتنگ کی ڈور سے شہ رگ کٹ کر مرنے والوں میں ایک اُصولی فرق ہے۔ ٹریفک حادثات ہوں یا ڈکیتیاں، ان میں ذمہ دار افراد کو اسی وقت یا بعد میں گرفتار کیا جاسکتا ہے اور ان پر مقدمہ دائر ہوسکتا ہے۔ مگر لاہور جیسے گنجان آباد شہر میں گذشتہ تین سالوں میں ۴۲/افراد پتنگ بازی کی وجہ سے لقمہ اجل بن چکے ہیں مگر آج تک کسی بھی 'قاتل ڈور' کے پس پشت ہاتھ پر ہاتھ نہیں ڈالا جاسکا، اور نہ ہی اس کا مستقبل میں کوئی امکان ہے۔

پھر ٹریفک اور پتنگ بازی ایک جیسے اہم نہیں ہیں۔ شہر میں ٹریفک تو ناگزیر ہے، مگر پتنگ بازی کے بغیر نہ صرف یہ کہ گذارا ہوسکتا ہے بلکہ گذشتہ چند ماہ کی پابندی کے دوران عوام نے بہت سکھ پایا ہے۔ پھر یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہئے کہ ٹریفک کے حادثات میں ہونے والی ہلاکتیں لاہور جیسے گنجان آبادی کے شہر میں نہیں ہوا کرتیں، یہ ہائی ویز پر تیز رفتاری سے ہوتی ہیں۔ شہر میں تیز رفتار ٹریفک کی اجازت نہیں ہے کیونکہ اس سے ہلاکتوں کا خدشہ رہتا ہے۔ اسی طرح اگر شہری آبادی میں پتنگ بازی سے ہلاکتوں کا خدشہ ہو تو اس پر پابندی ضرور لگنی چاہئے۔ ٹریفک حادثات اور بسنتی حادثات کو ایک ہی میزان میں تولنا غیر منطقی اور غیر عقلی استدلال ہے!!

© rasailojaraid.com

لاہور کی نئی بسنت

۲۰۰۰ء سے لاہور میں بسنت منانے کے طور طریقوں، انداز و اطوار اور لہوولعب کے اُسلوب میں نمایاں تبدیلی دیکھنے میں آئی ہے۔ یہ پہلا سال تھا جب پی ایچ اے اور دیگر سرکاری اداروں نے بسنتی پروگراموں کا نہ صرف بھرپور اہتمام کیا بلکہ ملٹی نیشنل اداروں اور تجارتی کمپنیوں کو بسنتی ثقافت کے فروغ میں والہانہ کردار ادا کرنے کی ترغیب دی گئی۔ بسنت مافیا نے سرکاری شرکت کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے بسنت میں ایسی ایسی خرافات بھی شامل کردیں جن کا 'سرسوں کے پھول کی خوشبو' یا عوام کی 'صاف ستھری' تفریح سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اس سے پہلے شہر کی عیاش اشرافیہ ناؤ و نوش اور رقص وسرود کی جو محفلیں کوٹھیوں اور حویلیوں کی چاردیواری میں برپا کرتی تھی، اب اس کا اہتمام ہوٹلوں، ریستورانوں، بلند وبالا عمارتوں اور بازاری پلازوں کی چھتوں پر بے حد ہنگامہ خیز انداز میں کیا جانے لگا۔ اب تماش بینوں کو بسنتی مجرے دیکھنے یا بسنتی لباس میں گڈے اُڑاتی پری جمال تتلیوں کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے یوسف صلاح الدین جیسے 'شرفا' کی حویلیوں کے طواف کرنے کی ضرورت نہ رہی۔ اب تو ہر دوسرے ہوٹل یا پلازے کی چھتیں مجرہ گاہ کا منظر پیش کرنے لگیں۔ سینکڑوں نہیں، بلکہ ہزاروں نو دولتیوں نے بسنت کو 'طوائف' سمجھ کر اس پر اپنے سرمائے کی یلغار کردی۔ پھر ان لوگوں نے ان چھتوں پر جواں جسموں کی وہ وہ منڈیاں لگائیں کہ یوسف صلاح الدین جیسے روایتی بسنت کے عاشق شرفا بھی اس کو دیکھ کر شاید شرما جائیں۔

اس تبدیلی کو نذیر ناجی جیسے سیکولر کالم نگار نے بھی محسوس کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''بسنت ہر سال نئے زور اور نئی توانائیوں کے ساتھ آنے لگی ہے اور مجھے ہر بار یوسف صلاح الدین یاد آتے ہیں۔ لاہور بلکہ پاکستان میں بسنت کو نئے دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے اور اسے گلی محلوں کے تہوار سے اوپر اٹھا کر پاکستان کی اشرافیہ اور پھر عالمی سطح تک لانے میں یوسف صلاح الدین نے پہلا اور بنیادی کردار ادا کیا۔ اُنہی کی دعوتوں پر لاہور کے ایلیٹ نے بسنت منانا شروع کی ...... اور پھر تہوار کے پھیلتے رنگ چاروں طرف چھا گئے۔ یوسف صلاح الدین آج بھی اپنی حویلی میں بسنت مناتے ہیں لیکن سرمائے کی یلغار نے انہیں بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے۔'' (روزنامہ جنگ: ۱۲؍فروری ۲۰۰۳ء)

نذیر ناجی جیسے دانشور تو شاید بسنت کے پھیلتے رنگوں کے سحر سے باہر آنے کو تیار نہیں مگر

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

یہی وہ 'نئے دور کا بسنت' ہے جس نے پاکستان کی ثقافتی قدروں کو شدید خطرات سے دوچار کردیا ہے اور جس کی وجہ سپہر اس پاکستانی کا چین غارت ہوگیا ہے جو اس ملک کی نظریاتی سرحدوں کو یوں نیست و نابود ہوتے دیکھ کر خون کے آنسو روتا ہے۔

بسنت کا 'نیا زور' اور 'نئی توانیاں' دیوانہ وار آگے بڑھتی رہیں۔ بالآخر ۲۰۰۲ء میں یہ ہنگامہ کلائمکس (Climax) کو چھوتا دکھائی دیا۔ اس سال بسنت کے نام پر وہ ہڑبونگ مچا جس کی ماضی میں نظیر نہیں ملتی۔ پہلے بسنت صرف ایک دن منائی جاتی تھی، اس سال تین دن تک یہ شور شرابہ جاری رہا۔ بسنت مافیا نے نئی خرافات متعارف کرائیں۔ نئے نئے بے ہودہ بسنتی گیتوں سے محلے اور بازار گونجنے لگے۔ Tango نام کی ایک تجارتی کمپنی نے شہر میں جا بجا ٹرالر کھڑے کئے جن پر کرائے کے لڑکے اور لڑکیاں 'نچ پنجابن نچ' جیسے بیہودہ گیت پر مجنونانہ ڈانس کرتے۔ ماڈل ٹاؤن، خالد مارکیٹ میں اس کمپنی کا ٹرک مسجد سے محض ۲۰ فٹ کے فاصلہ پر کھڑا کیا گیا۔ اذان اور نماز کے وقت بھی یہ لوگ 'نچ پنجابن نچ' کی مستی میں مبتلا رہے۔ متعدد سپیکروں کی کان پھاڑنے والی آواز، بے ہودہ گانوں اور لچر ڈانس سے مقامی آبادی کو اس قدر پریشانی کا سامنا کرنا پڑا کہ شہریوں نے اشتعال میں آکر اس ٹرالر پر ہلہ بول دیا اور اسے زبردستی بند کرایا۔ یہ تو محض ایک مثال ہے ورنہ شہر بھر میں بیہودگی اور لچر پن کا راج تھا۔ یوں لگتا تھا کہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت پاکستان کی ثقافت کی جڑیں اکھاڑنے اور مغرب کی بیہودہ لبرل تہذیب کو رواج دینے کا پروگرام بنایا گیا ہے اور اس مقصد کے حصول کے لئے بسنت کو ایک Cover کے طور پر استعمال کیا جارہا ہے۔

۲۰۰۲ء میں ۱۷/ فروری کو لاہور میں بسنت منائی گئی۔ اس سال سب سے زیادہ Vulgur (بے ہودہ) تقریب کا اہتمام ایک این جی او نے شاہی قلعہ میں کیا۔ قومی اخبارات نے اس تقریب کی جو تفصیلات شائع کیں، اسے پڑھ کر ہر شخص بخوبی اندازہ کرسکتا ہے کہ ہمارے ہاں بسنت کے نام پر کس طرح کا کلچر پروان چڑھانے کی کاوش کی جارہی ہے۔ روزنامہ پاکستان نے ۱۹/ فروری ۲۰۰۲ء کو اس واقعہ کی خبر صفحۂ اوّل پر شائع کی۔ اس خبر کی نمایاں سرخی یہ تھی: ''شاہی قلعہ میں کھلم کھلا شراب چلی......''

مزید تفصیلات ملاحظہ فرمائیے:

''لیٹن رحمت اللہ آئی ہسپتال کے زیر اہتمام شاہی قلعہ لاہور میں عطیات اکٹھے کرنے کے

© rasailojaraid.com

لئے بڑی تقریب کا اہتمام کیا گیا جہاں سرعام شراب تقسیم کی گئی۔ روزنامہ پاکستان کی تحقیق کے مطابق ایل آر بی ٹی (لیٹن رحمت اللہ بینوولینٹ ٹرسٹ) کے زیراہتمام جمعہ کو شاہی قلعہ میں تقریب منعقد ہوئی اور اس پروگرام کے دعوتی کارڈ چھ ہزار روپے فی کس کے حساب سے فروخت کئے گئے۔ اس تقریب میں وفاقی وزیر پٹرولیم عثمان امین الدین مہمانِ خصوصی تھے۔ شاہی قلعہ کے وسیع باغ میں رات دیر گئے تک جاری رہنے والی اس تقریب میں سینکڑوں 'مخیر' حضرات نے شرکت کی۔ کھانے کے ہر میز پر ۱۲فراد کی گنجائش تھی۔ جبکہ ہر میز کے ساتھ وافر مقدار میں شراب سجائی گئی تھی۔ شرکا تقریب میں موسیقی کے پروگرام کے ساتھ شراب نوشی سے بھی لطف اندوز ہوتے رہے۔''

روزنامہ پاکستان کی اس تحقیقاتی رپورٹ کے یہ الفاظ غور سے پڑھنے کے لائق ہیں:

''اس پارٹی میں ایک اعلیٰ سرکاری عہدیدار نے غیر ملکی مہمانوں کو فخر سے دکھاتے ہوئے کہا کہ آپ خود دیکھ لیں: کہاں ہے بنیاد پرستی اور انتہا پسندی؟ پاکستان ایک لبرل اور اعتدال پسند معاشرہ ہے......!!''

روزنامہ پاکستان نے اسی روز مولانا عبدالرحمن اشرفی، مفتی غلام سرور قادری، مولانا سمیع الحق، منور حسن، مولانا امجد خان اور دیگر تقریباً ۲۰ علماء کے نام بھی شائع کئے جنھوں نے اس پروگرام کے ذمہ داران کی شدید مذمت کی اور کہا کہ شراب کو خیرات کا ذریعہ بنانا جائز نہیں۔

ضلعی ناظم میاں عامر محمود نے بیان دیا کہ

''اگر ایسا پروگرام ہوا ہے تو متعلقہ افراد کے خلاف کارروائی کی جائے گی، انہوں نے کہا جو کچھ ہوا میرے علم میں نہیں۔ اگر اس تقریب میں سرعام شراب تقسیم کی گئی ہے تو متعلقہ افراد کے خلاف تحقیق کر کے کارروائی کی جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ خیرات کے نام پر شراب کی محفلیں منعقد کرنا غیر قانونی اقدام ہے۔'' (روزنامہ پاکستان: ۱۹/فروری ۲۰۰۲ء)

بعد میں اس واقعہ کے متعلق کوئی تحقیق یا کسی کے خلاف کوئی کارروائی ہوئی؟ اس کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔

روزنامہ نوائے وقت نے ۱۹/فروری ۲۰۰۲ء کے اداریے میں بسنتی خرافات کا نوٹس لیتے ہوئے تحریر کیا:

''اس پر مستزاد یہ کہ شاہی قلعہ لاہور کی تقریب میں شراب وافر مقدار میں تقسیم کی گئی اور ۱۲فراد کی ہر میز کے ساتھ شراب سجائی گئی تھی۔ ان سب حقائق کے پیش نظر یہ کہنا مناسب ہے کہ تعیش پسند طبقے نے مال خوب لٹایا اور حکومتی پابندیاں پتنگوں کے ساتھ اُڑا دیں یا ناؤونوش

© rasailojaraid.com

کی نذر کردیں۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ ان تقریبات میں غیر ملکی سفیروں کو بلا کر پاکستان کی عشرت پسندی کا ایسا مظاہرہ کیا گیا جو ملک وقوم کی تہذیبی روایات کے خلاف تھا۔ جرمنی کے سفیر نے کہا کہ ''ہمارے ملک میں بھی پتنگ بازی ہوتی ہے مگر پاکستان میں انوکھی ہے۔''

چین پتنگ بازی کو رائج کرنے والا ملک شمار ہوتا ہے لیکن جو عیاشی لاہور میں دیکھی گئی اس کا متحمل چین جیسا ملک بھی نہیں ہے...... بسنت ہندوؤں کا تہوار ہے لیکن بھارت میں بسنت عام معمول کا دن تھا۔ پاکستانیوں نے اسے 'ہائی جیک' کرکے لہو ولعب کے فروغ کا وسیلہ بنایا۔ اخبارات میں خواتین کے بھنگڑے کی جو تصویریں چھپیں، غیرت کے منافی ہیں۔ یہ قوم کش عیاشی اس طبقے کی ہے جس نے حرام مال افراط سے جمع کیا ہے اور اب اس حال مست قوم کا تہذیبی مزاج لبرل ازم کی طرف لانے کے لئے برسرعمل ہے۔ امریکہ جس لبرل ازم کو فروغ دینا چاہتا ہے وہ پورے ڈھول ڈھمکے کے ساتھ یہاں وارد ہوچکی ہے۔ اور اس کو سرکاری سرپرستی بھی حاصل ہے۔''

ایک سال بعد نوائے وقت کے احتجاجی نوٹ میں مزید تلخی پیدا ہوگئی:

''پچھلی تین بسنتوں کے دوران لاہور جیسے علمی وتہذیبی شہر کا جو حال ہوا وہ بیان سے باہر ہے۔ شراب کے جام پر جام لنڈھائے گئے۔ حکمرانوں کی موجودگی میں مقامی اور دوسرے شہروں سے آئے ہوئے 'معززین' نے وہ حرکات کیں کہ ان کے ذکر سے بھی تعفن محسوس ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ خالد حسن جیسا لبرل اور سیکولر خیالات رکھنے والا دانش ور انگریزی روزنامے ڈان میں یہ لکھنے پر مجبور ہوگیا کہ بسنت کے روز لاہور 'کوٹھے' میں تبدیل ہو چکا تھا۔''

(ادارتی نوٹ: ۳؍جولائی ۲۰۰۳ئ)

لبرل کلچر کی ایک جھلک

حالیہ برسوں میں بسنت کے جنوں نے ہمارے معاشرے کی صدیوں سے مسلمہ سماجی وثقافتی اقدار کو شکست و ریخت سے دوچار کردیا ہے۔ ہمارے معاشرے میں عورتیں پتنگ بازی کے شغل میں شریک نہیں ہوتی تھیں۔ عورتوں اور لڑکوں کا چھت پر جاکر پتنگ کی ڈور پکڑنا یا 'بوکاٹا' کے نعروں میں شامل ہونا بے حد نازیبا اور گری ہوئی حرکت سمجھی جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ چھتوں پر مرد یا جواں لڑکے ہی پتنگ بازی کا شغل برپا کرتے دکھائی دیتے تھے۔ عام آدمی کی غیرت گوارا نہیں کرتی تھی کہ وہ اپنی بیوی، بیٹی یا بہن کو اس لہوولعب میں شانہ بشانہ شریک دیکھ سکے۔ مگر اب تو معلوم ہوتا ہے کہ شرم و حیا کے تمام پردے گرا دیے گئے ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

چھتوں پر عورتیں بسنتی لباس پہن کر نہ صرف سرسوں کی فصلیں لگاتی ہیں بلکہ باپ، بھائی اور غیر محرم مردوں کی موجودگی میں 'بوکاٹا' کے نعرے لگاتی ہیں، پتنگ باز سجنا کے گیت گاتی ہیں، اور ترنگ میں آکر بھنگڑا بھی ڈال لیتی ہیں۔

بسنت کے موقع پر قریبی چھتوں پر لڑکے اور لڑکیوں کے غول درغول عشق وفسق کی آتش کو ہوا دینے میں بے حد سازگار ماحول مہیا کرتے ہیں۔ اس لبرل ماحول میں پتنگیں اُڑانے اور آنکھیں لڑانے کا شغل دونوں جاری رہتے ہیں۔ ہمارے شاعروں نے بھی بے حد مزے لے کر اس عشق بازانہ پتنگ بازی کو موضوعِ سخن بنایا ہے۔ بعض شعرا کی شاعری کا بسنتی رنگ ملاحظہ کیجئے۔ طارق کھوکھر نامی شاعر کی نظم کا عنوان ہے: 'چھت پر آنا اچھا لگتا ہے'، کہتے ہیں:

صبح کو اس کا چھت پر آنا اچھا لگتا ہے — دھاگے سے سب کچھ کہہ جانا اچھا لگتا ہے
دن کو نہ تیرا چھت سے جانا اچھا لگتا ہے — پتنگ کے سنگ خود لہرانا اچھا لگتا ہے
شام کو تیرا چھت پر آنا اچھا لگتا ہے — سب کچھ آنکھوں میں کہہ جانا اچھا لگتا ہے

ایک دوسرے شاعر شاہد کریم انجم بسنت کے موقع پر چھتوں پر انجام دی جانے والی 'ثقافتی' سرگرمیوں کا حال یوں بیان کرتے ہیں:

کتنی سج دھج سے آئی میرے شہر میں آج بسنت — زندہ دل لوگوں کے دل پر کرتی ہے راج بسنت
اک اک لمحہ گزر رہا ہے کتنا حسینوں پر — ہر کوئی ڈورے ڈال رہا ہے چھت پر کھڑا حسینوں پر
آنکھوں آنکھوں میں ہی لاکھوں یہاں پیچے لگتے ہیں — نظروں کی قاتل ڈوری سے یہاں پر گڈے کٹتے ہیں
پیلے رنگ کے طوفانوں میں سبھی ارمان مچلتے ہیں — جس جانب بھی دیکھیں، دل کے چور نکلتے ہیں!

باقر نقوی نام کے شاعر کا کلام دیکھئے:

کیا مزہ ہے — بسنت کی بہار میں — سجنی کے دیدار میں!
دیر تک پتنگ اُڑائے رکھنا — اس کے انتظار میں
چھت پر نظریں جمائے رکھنا — اس کے انتظار میں

('بسنت لاہور کا ثقافتی تہوار'، نذیر احمد چوہدری، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور)

اچھے اچھے شرفا اس لبرل کلچر کے سیلاب میں خس و خاشاک کی طرح بہتے چلے جاتے ہیں۔ اجتماعی پتنگ بازی کا بدترین پہلو یہی ہے کہ اس کی وجہ سے اجتماعی آوارگی جنم لے رہی ہے مگر اس کا احساس نہیں کیا جارہا۔ اس فسق و فجور سے بھرپور ماحول میں منائی جانے والی بسنت کو جو

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

دانشور ہمارے 'قومی و ثقافتی تہوار' کا نام دیتے ہیں، ان سے گذارش ہے کہ وہ اپنی اس رائے کو دینی حمیت اور قومی غیرت کے آئینے میں لمحہ بھر کے لئے ضرور دیکھیں۔ دینی راہنماؤں کو 'بے روح مذہبیت' اور 'قدامت پرستی' کا طعنہ دینے کی بجائے مناسب ہوگا کہ وہ بسنت کے دل دادہ ان شعرا کے اشعار پر غور فرمائیں۔ کاش کہ وہ قوم کو اس ثقافتی لبرل ازم کے عذاب سے نجات دلانے میں فکری راہنمائی کا فریضہ انجام دیتے!!

بسنت اور ہمارے دانشور صحافی

روز نامہ نوائے وقت، بسنت مخالف تنظیموں، سماجی راہنماؤں اور دینی حلقوں کی طرف سے بسنت کو ہندوانہ تہوار قرار دے کر اس کے خلاف شدید احتجاج کیا جارہا تھا۔ اسی لئے بسنت کے حامی دانشوروں نے ان تقریبات کے لئے 'بسنت' کا نام استعمال کرنے سے گریز کرنا شروع کردیا۔ انہوں نے احتیاط کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اسے 'پتنگ میلہ' اور 'جشن بہاراں' جیسے نام عطا کئے۔ اس طرح کا معذرت خواہانہ طرزِ عمل بالخصوص ایسے دانشوروں اور صحافیوں کی طرف سے سامنے آیا، جو ہمیشہ دائیں بازو میں شامل رہے ہیں۔ ان کی جانب سے نیمے دروں نیمے بروں والا انداز اپنایا گیا۔

ان حضرات نے 'جشن بہاراں' میں 'پرزور شرکت' بھی فرمائی اور اسے 'اخلاقی حدود کا پابند' رکھنے کی تلقین بھی فرماتے رہے۔ اسلامی اقدار کے فروغ کے لئے اپنے عزائم کا اظہار بھی فرماتے رہے اور ساتھ ہی بسنت کو ہندوانہ تہوار کہنے والوں کو 'بے روح مذہبیت' اور 'قدامت پرستی' کا شکار ہونے کے طعنے بھی دیتے رہے، علمائے کرام کو 'وسیع النظر ہونے' کی تلقین بھی فرماتے رہے، ساتھ ہی نوجوانوں کو سمجھاتے رہے کہ پاکستان کی بنیادی شناخت اس کے نظریہ کے حوالے سے ہے۔ اپنی سرپرستی میں 'دل ہوا بوکاٹا' جیسے گانوں پر نوجوانوں سے بھنگڑے بھی ڈلواتے رہے اور ساتھ ہی اپنے اخبار کے اداریے میں یہ تبلیغ بھی جاری رکھی: "ہماری تقریبات بے خدا معاشروں کی تقریبات سے مختلف ہونی چاہئیں اور نظر بھی آنی چاہئیں۔"

روز نامہ 'پاکستان' کے محترم مدیر صاحب کے فکری اضطراب کا عظیم نمونہ ان کا وہ اداریہ ہے جو ۱۹/فروری ۲۰۰۲ء کو 'پتنگ میلہ: بسنت یا جشنِ بہاراں' کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس اداریے کے کچھ حصے ہم قارئین کی دلچسپی کے لئے نقل کردیتے ہیں، باقی حصے اگر ہوسکے تو

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

پڑھنے کی زحمت وہ خود گوارا کرلیں:

''یہ 'پتنگ میلہ' جسے بسنت کا نام بھی دیا جاتا ہے اور 'جشن بہاراں' کہہ کر بھی پکارا جاتا ہے اب لاہور شہر کی تہذیبی شناخت بن چکا ہے ...... ایک طرف قوم کا بڑا حصہ بحیثیتِ مجموعی اس میلہ کو قومی تہوار بنا چکا ہے تو دوسری طرف اس پر تنقید بھی جاری ہے۔ روزنامہ پاکستان کے مارکیٹنگ کے شعبے کی طرف سے بھی اس بار اس 'میلے' میں پرزور شرکت کی گئی ...... ہمارے متعدد قارئین ہم سے بار بار پوچھ رہے ہیں کہ آپ کی رائے کیا ہے اور نظریہ کیا ہے؟ آپ تو اس ہنگامے میں شریک نظر آرہے ہیں۔'' ہم نے ضروری جانا کہ اس موقع پر چند اُمور کی وضاحت کردی جائے اور اپنی رائے کو کھول کر اپنے قارئین کے سامنے رکھ دیا جائے......''

اداریے کے مندرجہ بالا حصہ پر ہم اختلافِ رائے کا حق استعمال کرتے ہوئے پہلے کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں اور اس کے بقیہ حصے کو بعد میں نقل کریں گے۔ 'پتنگ میلہ' کی ترکیب مروّج نہیں ہے۔ اسے بسنت کا نام دیا نہیں جاتا، یہ شروع ہی سے 'بسنت' ہی کہلاتا ہے۔ اسے لاہور شہر کی 'تہذیبی شناخت' کہنا بھی تاریخی حقائق کے منافی ہے۔ قابل اعتماد ماخذوں کے مطابق قیامِ پاکستان سے پہلے لاہور کے مسلمانوں کی 'بسنت' میں شرکت نہ ہونے کے برابر تھی۔ آج بھی اندرونِ شہر ہزاروں بزرگ موجود ہیں جو یہ بتا سکتے ہیں کہ قیامِ پاکستان کے بعد بھی چند نوجوان تھے جو منٹو پارک میں پتنگ بازی کا شغل کرتے تھے یا کچھ لوگ مزنگ میں یہ کام کرتے تھے مگر ان کی اس حرکت کو معاشرے میں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ یہ بات بھی درست نہیں کہ ''قوم کا بڑا حصہ بحیثیتِ مجموعی اس میلے کو قومی تہوار بنا چکا ہے۔'' لاہور شہر میں بسنت کے مخالف افراد لاکھوں میں ہیں۔ ایک مقامی سطح کی تقریب کو 'قومی تہوار' نہیں کہا جاسکتا۔ بسنت جیسے متنازع فیہ لہوولعب پر مبنی پروگرام کو قومی تہوار کہنا مناسب نہیں ہے۔

روزنامہ پاکستان کے مذکورہ اداریے کے بقیہ حصے ملاحظہ فرمائیے:

① ''بسنت یا جشن بہاراں یا پتنگ میلہ کے نام پر منایا جانے والا یہ تہوار کسی بھی طور کسی مذہب کے ساتھ وابستہ نہیں ہے۔ نہ یہ کرسمس ہے، نہ دیوالی اور نہ ہولی۔ یہ ایک غیر مذہبی تہوار ہے جسے طویل عرصہ سے منایا جارہا ہے۔

② پتنگ کسی ہندو کی ایجاد ہے نہ سکھ کی۔ اسے سینکڑوں سال سے مشرق کے آسمان پر اڑایا جارہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسے اہل چین نے ایجاد کیا۔

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

③ کوئی بھی ثقافتی تہوار اچھا یا برا نہیں ہوتا، اسکو منانے کے طریقے اسے اچھا یا بُرا بناتے ہیں.

④ مسلمانوں نے اپنی پندرہ سو سالہ تاریخ میں مختلف مقامات پر مختلف مقامی تہواروں کو 'مشرف بہ اسلام' کیا، انکے منانے پر پابندی نہیں لگائی، البتہ انہیں اخلاق کا جامہ پہنا دیا۔

⑤ ہر بات کو کفر اور اسلام کا جھگڑا بنانے کی روش نے ہمیں ماضی میں بہت نقصان پہنچایا ہے۔ اس لئے علمائے کرام اور مذہبی راہنماؤں کو اس سے گریز کرنا چاہئے اور اگر لوگ خوشیوں کے چند لمحے سمیٹنا چاہیں تو ان کے خلاف تلوار لے کر کھڑے نہیں ہو جانا چاہئے۔

⑥ جہاں لہو ولعب کو حلال نہیں کیا جاسکتا، وہاں ہر شے کو لہو ولعب قرار بھی نہیں دیا جاسکتا۔ اسلام کی تلوار کو وہاں چلانا چاہئے جہاں اسلام کو ضرورت ہو، تلوار لے کر چلنے والے کو یہ حق نہیں دیا جاسکتا کہ وہ ذاتی پسند و ناپسند کو دین کا مسئلہ بنا دے۔"

محترم اداریہ نویس نے مندرجہ بالا سطور میں جو باتیں کی ہیں، ان میں بہت سی اُصولی طور پر درست ہیں، مگر بعض کے متعلق تبصرہ اور اعتراض کی گنجائش موجود ہے۔ مثلاً:

❶ یہ ایک ناقابل انکار تاریخی حقیقت ہے کہ بسنت ہندوانہ تہوار رہا ہے۔ راقم الحروف نے محدث کے انہی صفحات میں اپنے ایک مضمون 'بسنت، محض موسمی تہوار نہیں!' میں سکھ، ہندو اور انگریز مؤرخین کی آراء کو پیش کردیا ہے جنہیں دیکھ کر کوئی بھی حقیقت کا متلاشی اصلی بات کو سمجھ سکتا ہے۔ البیرونی کی رائے ہو یا فرہنگِ آصفیہ میں اندراج، اس بات میں کوئی شک نہیں کہ بسنت بنیادی طور پر ہندوانہ تہوار ہے۔ راقم کا یہ مضمون 'محدث' (فروری ۲۰۰۱ئ) کے علاوہ روزنامہ پاکستان میں بھی ۲۰۰۲ء کے بسنت کے موقع پر شائع ہوا۔ روزنامہ نوائے وقت نے ۹؍فروری ۲۰۰۳ء کی اشاعت میں تاریخی حقائق کو مفصل طور پر شائع کرکے دکھا دیا کہ بسنت کا پس منظر ہندوانہ تہوار کا ہے۔ البتہ یہ معاملہ الگ ہے کہ کوئی بسنت مناتا ہے، مگر اسے ہندوانہ تہوار نہیں سمجھتا۔

❷ پتنگ بازی پر یہ اعتراض کسی نے وارد نہیں کیا کہ یہ کسی ہندو کی ایجاد ہے۔ اصل اعتراض یہ ہے کہ لاہور میں بسنت کے موقع پر پتنگ بازی کا آغاز گستاخِ رسول حقیقت رائے دھرمی کے میلے سے ہوا۔ تاریخی طور پر یہ بات ثابت ہے۔ سکھ اور ہندو مؤرخین کو بھی اس سے انکار نہیں ہے۔ یہاں روزنامہ نوائے وقت کی رپورٹ 'بسنت کیا ہے؟' کے متعلقہ حصہ کو نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

''بسنت اور پتنگ دو الگ الگ مشرکانہ عقائد اور تہواروں کا حصہ ہیں۔ لیکن ان دونوں کا باہم ربط و تعلق کیسے ہوا۔ اس کا پس منظر ہم مسلمانوں کے لئے اس قدر غیرت آموز ہے کہ اگر ہم میں ذرّہ برابر بھی دینی حمیت ہوتو بسنت اور پتنگ کے قریب بھی نہ پھٹکیں۔ درحقیقت ایک گستاخِ رسول حقیقت رائے دھرمی کو نسبت پنچمی کے روز اس کے جرم کی پاداش میں پھانسی دی گئی تھی۔ سکھوں نے بالآخر اس کا بدلہ ان تمام مسلمانوں کو بے دردی سے قتل کر کے لیا جو اس وقوعہ میں کسی نہ کسی طریقے سے ملوث تھے۔ انتقام لینے کی خوشی میں سکھوں اور ہندوؤں نے حقیقت رائے دھرمی کے میلے کے روز اس کی سمادھ پر پتنگیں اڑائیں۔ کیونکہ اس کی پھانسی کا دن بسنت پنچمی تھا۔ اس لئے لاہور میں جو سکھوں کا پایۂ تخت تھا، بسنت و پتنگ لازم و ملزوم سمجھے جانے لگے۔'' (نوائے وقت: ۹رفروری ۲۰۰۳ء)

مشتاق پھلروان، جو پتنگ بازی کے حامی ہیں، لکھتے ہیں:

''بعض قبائل میں پتنگ کے بھجن گائے گئے۔ پتنگ کو دیوتا مانا گیا۔ اس سے دعائیں اور مرادیں مانگی جاتی تھیں۔ یہ اعتقاد بھی دیکھا گیا کہ پتنگ سے بھوت پریت نہیں آتے۔'' (کتابچہ: بسنت و پتنگ)

۳ اسلامی نقطہ نظر سے کسی بھی تہوار کی اچھائی یا برائی کا تعین کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی فکری بنیاد کو پرکھا جائے۔ اسلام نے اچھے تہوار (عیدین ☆) خود بتا دیئے ہیں، اس کے علاوہ کسی ایسے ثقافتی تہوار کو مسلم معاشرہ کے لئے قابل قبول نہیں قرار دیا جاسکتا، جس پر کسی دوسری قوم یا مذہب کی چھاپ ہو۔ بسنت کی فکری بنیاد اور اس کے منانے کا طریقہ دونوں ہی قابل اعتراض ہیں۔

۴ تاریخی طور پر یہ بات درست نہیں ہے کہ اسلام نے اپنی پندرہ سو سالہ تاریخ میں مختلف مقامات پر مختلف مقامی تہواروں کو 'مشرف بہ اسلام' کیا، انہیں اخلاق کا جامہ پہنانے کی بات تو دور کی ہے۔ مسلمانوں نے آٹھ سو برس تک سپین پر حکومت کی، انہوں نے کبھی عیسائیوں کے تہوار کرسمس کو 'مشرف بہ اسلام' کرنے کی کوشش نہ کی۔ انہوں نے فارس پر قبضہ کیا جو آج تک چلا آتا ہے، مگر کبھی انہوں نے پارسیوں کے کسی تہوار کو 'اخلاقی جامہ' پہنا کر نہیں منایا۔ مسلمان

☆ کتبِ احادیث میں ہے کہ نبی کریم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں کے علاقائی تہواروں کو منوانے کی بجائے آپ نے فرمایا: قد أبدلکم اللہ بھما خیرا منھما: یوم الأضحیٰ ویوم الفطر (سنن ابوداود) ''اللہ تعالیٰ نے تمہیں جاہلیت کے تہواروں سے کہیں بہتر عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دو تہوار عطا فرمائے ہیں۔''

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

بادشاہوں نے نوروز جیسے سالِ نو کے معروف تہوار کو بھی کبھی نہیں منایا۔ ہندوستان میں بھی مسلمانوں نے ہندوؤں کے کسی تہوار کو اپنانے کی کوشش نہ کی۔ دو قومیتوں کی متصادم فطرت کے عنوان سے انگریز مؤرخ مرے ٹائٹیس کہتا ہے:

''بارہ طویل صدیوں تک اسلام ہندوستان میں ہندومت کے ساتھ ساتھ رہا۔ بارہ صدیوں تک دونوں قومیں ایک جانب قومیتی اولوالعزمیاں اور دوسری جانب قومیتی تحفظ کے فطری جذبے کی آویزش، اکثر و بیشتر چپقلشوں اور تنازعوں کا باعث بنی رہی اور آج تک جاری ہے۔'' (انڈین اسلام: صفحہ ۱۷۶، ۱۹۳۰ئ)

جرمن فلاسفر اوسوالڈ اسپینگلر کے بقول: ''ایک مذہبی ثقافتی قوت کے لحاظ سے اسلام بیشتر حیثیتوں میں ہندومت کی عین ضد ہے۔'' (زوالِ مغرب)

پروفیسر عزیز احمد جو اسلامی کلچر پر اتھارٹی مانے جاتے ہیں، اپنی معرکہ آرا تصنیف 'برصغیر میں اسلامی کلچر' میں لکھتے ہیں:

''ثانوی ہندوستانی ماحول اور نسلی اثرات سے گھرے رہنے کے باوجود ہندوستان میں اسلام نے ان تمام صدیوں میں اپنا غیر ملکی انداز برقرار رکھا۔ بقول جادوناتھ سرکار: ہندوستانی مسلمان بحیثیتِ کل بدیسی ذہن رہا۔ وہ محسوس کرتا تھا کہ وہ تھا تو ہندوستان میں لیکن اس کا جز نہیں تھا۔'' (صفحہ: ۱۱۰)

❺ بلا شبہ اگر لوگ خوشیوں کے چند لمحے سمیٹنا چاہیں تو ان کے خلاف تلوار لے کر کھڑے نہیں ہونا چاہیے۔ مگر محترم اداریہ نویس یہ تو بتائیں کہ جب ایک طبقے کی خوشیاں منانے کا انداز دوسرے طبقہ کے لئے عذاب بن جائے تو پھر کیا کیا جائے۔ جب بسنت کے نام پر لہو ولعب اور شاہی قلعہ جیسے پروگرام ہونے لگ جائیں تو کیا پھر بھی چشم پوشی کی جائے؟ بسنت کے مخالف صرف علما ہی تو نہیں ہیں، نوائے وقت جیسے اخبارات، سماجی تنظیمیں اور ہر مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے لوگ ہیں۔ خوشیاں سمیٹنے کے اور بھی تو بہت طریقے ہیں، آخر ہندوانہ تہوار پر ہی اصرار کیوں کیا جائے!!

❻ ہمارا بھی نقطہ نظر یہ ہے کہ ہر شے کو لہو ولعب قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مگر گذشتہ چند برسوں میں 'بسنت' کے 'قومی تہوار' کا مشاہدہ کرنے والا کون سلیم الطبع شخص ہے جو اسے لہو ولعب نہیں سمجھتا؟ اگر کوئی شخص اسے لہو ولعب نہیں سمجھتا، اسے چاہئے قرآن وسنت میں لہو ولعب کے تصور کا خود مطالعہ کر لے۔

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

ان معروضات کے بعد روزنامہ پاکستان کے اداریے کے یہ الفاظ دیکھئے:

''ہمارے نظریات اور خیالات واضح ہیں۔ اسلام ہمارا سرمایۂ حیات ہے اور ہماری کل کائنات ہے۔ اسلامی اقدار کا فروغ، ان کی پاسبانی اور ترجمانی ہمارے لئے وجہ اعزاز اور وجہ افتخار بھی۔ اسلام ہی ہماری منزل اور اسلام ہی ہماری آرزو ہے لیکن ہم بے روح مذہبیت اور قدامت پرستی کو اسلام قرار دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔''

محترم اداریہ نویس کے جذبات قابل تعریف ہیں، مگر معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے فرض کرلیا ہے کہ بسنت کی مخالفت کرنے والے سب لوگ 'بے روح مذہبیت' اور 'قدامت پرستی' کا شکار ہیں۔ بسنت کے نام پرلہوولعب، خرافات، شراب و کباب اور ایک ہندوانہ تہوار کی مخالفت کو وہ جو چاہیں نام دیں، ہم اسے ثقافتی لبرل ازم سمجھتے ہیں اور اسے اسلامی ثقافت قرار دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

اس اداریے کا آخری حصہ بھی قابل توجہ ہے:

''ہم پاکستان کے انتہائی ممتاز دانشور جناب اشفاق احمد سے متفق ہیں کہ یہ تہوار پتنگ میلہ ہے ...... یاد رکھئے 'پتنگ میلے' یا 'جشن بہاراں' کے خلاف محاذ بنانا کارِ لاحاصل ہے، اسے اخلاقی حدود کا البتہ پابند رہنا چاہئے۔ ...... 'پتنگ میلے' یا 'بسنت' میں جہاں حدود سے تجاوز کیا جائے، وہاں عصائے احتساب کو گردش میں آنا چاہئے۔''

ہمارے خیال میں اس طرح کے لبرل ثقافتی فیسٹیول کو اخلاقی حدود کا پابند بنانے کی خواہش ناقابل عمل ہے۔ اس طرح کے وسیع پیمانے پر ثقافتی ہنگامہ آرائی کو عصائے احتساب کو گردش میں لاکر کنٹرول کرنا بھی ممکن نہیں ہے۔ کسی کام کی کھلم کھلا آزادی دے کر اسے کنٹرول نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا صرف ایک ہی علاج ہے کہ اس طرح کے غیر اخلاقی، سماج دشمن، انسانی جانوں کے لئے خطرناک پروگرامات کی شروع ہی سے بیخ کنی کی جائے۔

پتنگ بازی کے حق میں دلائل

پتنگ بازی پر پابندی اُٹھانے کے حق میں سب سے بڑی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ پتنگ سازی ایک صنعت کا درجہ اختیار کرچکی ہے اور اس سے سینکڑوں خاندانوں کے روزگار وابستہ ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پتنگ اور ڈور کے کاروبار میں ہزاروں لوگوں کے لئے روزگار کے مواقع ہیں۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ لاہور جیسے شہروں میں کیا ایسے کاروبار کو جاری رکھنے کی

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

اجازت دی جاسکتی ہے جس کے نقصانات بھی بہت ہیں۔

جب بھی کوئی ریاست کسی نفع بخش کاروبار یا پیشے کو معاشرے کے اجتماعی مفادات سے متصادم محسوس کرتی ہے، تو اس پر قانونی پابندیاں عائد کردیتی ہے، اس وقت یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اس پابندی سے کتنے خاندانوں کا روزگار متاثر ہوگا۔ صوبہ سرحد کے سنگلاخ پہاڑوں کے درمیان رہنے والے ہزاروں خاندان ایسے ہیں جو پوست (Poppy) کی کاشت سے ہزاروں روپے کی ماہانہ آمدنی حاصل کررہے تھے اور ان کا بظاہر کوئی متبادل ذریعہ معاش بھی نہیں تھا۔ مگر چونکہ اس سے ہیروئن پیدا ہوتی ہے، اس لئے اسے معاشرے کے لئے خطرناک سمجھ کر اس پر پابندی عائد کردی گئی۔

ابھی چند سال پہلے میاں نواز شریف کی حکومت نے شادی بیاہ کی تقریبات میں کھانوں پر پابندی عائد کردی تھی۔ شادی گھروں اور دیگر متعلقہ اداروں نے اس پر کافی احتجاج کیا اور سینکڑوں خاندانوں کے روزگار متاثر ہونے کا واویلا بھی بہت مچایا گیا، مگر چونکہ یہ پابندی معاشرے کے اجتماعی مفاد میں تھی، اسے سماجی حلقوں نے سراہا۔ حال ہی میں لاہور میں ویگنوں کو ختم کرکے بڑی بسوں کو چلانے کی اجازت دی گئی ہے۔ حکومت کے اس فیصلے سے سینکڑوں خاندان متاثر ہوئے ہوں گے، اگر لاہور میں شراب کی کھلے عام اجازت دی جائے تو سینکڑوں خاندان شراب بنانے کو ذریعہ معاش بنا لیں گے۔ مگر کیا محض چند سو خاندانوں کو معاشی وسائل فراہم کرنے کے لئے پورے معاشرے کو نقصان پہنچانے کی اجازت دی جاسکتی ہے؟

آخر اس استدلال کا اطلاق نام نہاد پتنگ سازی کی صنعت پر کیوں نہیں کیا جاتا۔ مزید برآں پتنگ اور ڈور کا کاروبار چند ہفتوں پر محیط ہوتا ہے، بہت کم لوگ ہیں جو سارا سال اسی کاروبار سے وابستہ رہتے ہوں۔

پتنگ بازی اور بسنت منانے کے حق میں دوسری دلیل یہ دی جاتی ہے کہ بسنت کے موقع پر اربوں روپے کا کاروبار ہوتا ہے۔ نجانے کس طرح اَعداد وشمار جمع کئے جاتے ہیں، مگر کہا جاتا ہے کہ ہر سال تقریباً دو ارب روپے کا کاروبار ہوتا ہے۔ اس کاروبار کی نوعیت کیا ہے؟ ہر سال کروڑوں روپے پتنگ اور ڈور پر خرچ کردیئے جاتے ہیں، کروڑوں روپے کھابے اُڑانے میں ضائع کردیئے جاتے ہیں، شراب وسیع پیمانے پر فروخت ہوتی ہے، ہوٹلوں کا کاروبار خوب چمکتا ہے۔ لاکھوں روپے لاہور کی شاہراہوں کو سجانے پر خرچ ہوجاتے ہیں، عمارتوں کی آرائش

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

کے لئے لاکھوں کا خرچہ ہوتا ہے، موسیقی، راگ رنگ، اور مغنیات پر کروڑوں کا خرچ اُٹھتا ہے، بسنتی لباس تیار کرانے میں عورتیں بے دریغ خرچ کرتی ہیں، یہ لباس شاید ایک دن ہی پہنا جاتا ہے۔ گھر گھر ضیافتیں اُڑائی جاتی ہیں۔ کیا ان میں سے کوئی ایک خرچ بھی ایسا ہے جسے تعمیری کہا جاسکے۔ یہ سب اسراف وتبذیر، فضول خرچی اور عیاشی کے زمرے میں آتے ہیں۔ عیاش اور متمول طبقہ بسنت کے موقع پر گوشت اور دیگر اشیاے ضرورت کا اس قدر زیادہ استعمال کرتا ہے کہ اس سے مارکیٹ کئی ہفتے متاثر رہتی ہے۔ طبقہ امرا کی انہی بے جا عیاشیوں کی وجہ سے گوشت جیسی اہم چیز غریب آدمی کی قوتِ خرید میں نہیں رہی۔

ایک ایسی قوم جس پر ۳۶/ ارب ڈالر کا قرضہ واجب الادا ہو، اس کے لئے اس طرح کے غیر تعمیری مصارف پر ایک دن میں اربوں روپے اُڑانا باعث فخر نہیں، باعثِ شرم ہی ہے پتنگ بازی کے لئے استعمال ہونے والے سامان کا بہت سارا حصہ بھارت سے درآمد کیا جاتا ہے۔ ہمارے ماہرین معاشیات کو چاہئے کہ وہ قوم کو صحیح حقائق سے آگاہ کریں تاکہ بسنت مافیا نے اربوں روپے کے کاروبار کا جو ڈھونگ اور فسوں رچا رکھا ہے، اس کی حقیقت بھی واضح ہوجائے۔ جس قوم کی ۳۴ فیصد آبادی خطِ افلاس سے بھی نیچے زندہ رہنے پر مجبور ہو، اس قوم کی اشرافیہ کے لئے یہ بسنتی تعیّشات وجہ افتخار نہیں ہوسکتے!!

مزید برآں لیسکو کے چیئرمین اور لاہور کے ضلعی ناظم کے بیان کے مطابق گزشتہ سال دھاتی تار کی وجہ سے بجلی کی ہونے والی ٹرپنگ سے لیسکو کو اڑھائی ارب کا نقصان اٹھانا پڑا۔

(پتنگ بازی پر پابندی کیوں؟ از میاں عامر محمود، روزنامہ پاکستان: یکم جولائی ۲۰۰۳ء)

بجلی کی بار بار ٹرپنگ سے گھریلو اشیا اور صنعتوں کی پیداوار کو پہنچنے والے نقصان کا تو اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ دو ارب کے کاروبار کی بات کرنے والوں کو ان نقصانات کو سامنے رکھ کر معاشی میزانیہ مرتب کرنا چاہیے۔

۲۰۰۳ء میں بسنت کو لاہور میں جوش وخروش سے منایا گیا، مگر سرکاری سرپرستی میں قدرے کمی آ گئی۔ دھاتی ڈور کی وجہ سے ہونے والی ہلاکتوں کا شدید ردّ عمل بھی سامنے آیا۔ بسنت کے بعد بھی جب ہلاکتوں اور واپڈا کے نقصانات کا سلسلہ جاری رہا تو ضلعی حکومت اپنی پالیسی بدلنے پر مجبور ہوگئی۔ یکم جولائی ۲۰۰۳ء سے پتنگ بازی پر پابندی لگا دی گئی۔ میاں عامر محمود نے اس پابندی کی وجوہات بیان کرتے ہوئے کہا کہ گزشتہ دو ماہ میں پتنگ بازی کی وجہ سے

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

۱۷ قیمتی جانیں ضائع ہوئیں اور گزشتہ سال لیسکو کو اڑھائی ارب کا نقصان برداشت کرنا پڑا۔

یہ بات حیران کن نہیں کہ اس پابندی کو ان دانشوروں نے بھی سراہا جنہوں نے بسنت کو قومی وثقافتی تہوار کے طور پر منانے کے لیے سوسو تاویلات پیش کی تھیں۔ ذرائع ابلاغ نے اور سماجی حلقوں نے بھی اس پابندی کو نگاہِ تحسین سے دیکھا۔ اس کے علاوہ لاہور کی خونی بسنت (۹ فروری ۲۰۰۳ئ) کے بعد راولپنڈی، گوجرانوالہ، قصور اور حافظ آباد کے ضلعوں کے ناظمین نے اپنے اپنے ضلع میں بسنت منانے پر فوری طور پر پابندی عائد کردی۔

درج ذیل منتخب بیانات اور رپورٹوں سے مثبت عوامی ردعمل کو بخوبی جانچا جاسکتا ہے:

پابندی پر خیر مقدمی بیانات

① پی ایچ اے کے سربراہ کامران لاشاری نے اس پابندی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ''جو مزاجِ حکومت میں آئے ہمارا سرتسلیم خم ہے۔ پابندی پر میرا تبصرہ صرف اتنا ہے کہ ہم سرنگوں کردیں گے۔'' (نوائے وقت: ۳/ جولائی ۲۰۰۳ء)

② ''پتنگ بازی پر پابندی کی خلاف ورزی کرنے والوں کے ساتھ سختی سے نمٹا جائے گا۔'' (وزیراعلیٰ پرویز الٰہی کا بیان شائع شدہ جنگ: ۲/ جولائی ۲۰۰۳ء)

③ ضلعی حکومت لاہور نے انسانی جانیں بچانے کے لئے صحیح وقت پر صحیح قدم اٹھایا۔ (نوائے وقت: ۲/ جولائی ۲۰۰۳ئ)

④ بے گناہ بچوں اور نوجوانوں کے خون سے پہلے ہی پتنگ بازی پر پابندی لگنی چاہیے تھی۔ ('انصاف' سروے: ۲/ جولائی ۲۰۰۳ء)

⑤ پتنگ بازی پر پابندی؛ ایک مستحسن فیصلہ۔ (روزنامہ 'دن' کا اداریہ، ۲ جولائی ۲۰۰۳ء)

⑥ ''میاں عامر محمود نے عوامی مفاد میں ایک انسانی قدم اٹھایا ہے تو اسے اپنے موقف پر چٹان کی طرح ڈٹ جانا چاہیے اور بے شک میاں عامر محمود اس سلسلہ میں مبارکباد اور شاباش کا مستحق ہے کہ اس نے ووٹ بنک اور مافیا کی پروا کئے بغیر معصوم اور بے گناہ شہریوں کے قتل عام کو لگام دینے کا آغاز کیا۔''

(حسن نثار کا کالم 'چوراہا' روزنامہ 'جنگ' ؛ 'قتل عام اور میاں عامر' ۲/ جولائی ۲۰۰۳ء)

⑦ ''پتنگ بازی پر پابندی ضلعی حکومت کا پسندیدہ اقدام ہے۔ لیکن اس پر مکمل طور پر عمل درآمد نہ ہوا تو یہ ضلعی حکومت کی بدنامی کا باعث بھی بن سکتا ہے۔ ہم والدین سے بھی

© rasailojaraid.com

گذارش کریں گے کہ وہ اپنے بچوں کو پتنگ بازی کے فضول شوق سے منع کریں۔سماجی انجمنوں کے راہنماؤں،علماے کرام اور معاشرہ کے بااثر افراد کو اس سلسلے میں اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔“

(روزنامہ 'پاکستان' کا اداریہ، یکم جولائی ۲۰۰۳ء)

⑧ پتنگ بازی پر پابندی لگانے سے ہم ضلعی ناظم کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ایسی پابندی پورے ملک میں لگائی جائے۔ (انجمن تاجرانِ گلبرگ، ایکسپریس، یکم جولائی ۲۰۰۳ء)

⑨ حکومت تین ماہ کی بجائے ہمیشہ کے لئے پتنگ بازی اور ڈور بنانے پر پابندی عائد کرے۔ پتنگیں بنانے اور اُڑانے والوں کو پھانسی دی جائے۔

(اینٹی کائٹ فلائنگ ایسوسی ایشن۔'پاکستان' یکم جولائی ۲۰۰۳ء)

⑩ ہمارے اس اقدام کا عوام نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ خیر مقدم کیا ہے۔

⑪ ”بہرکیف بعد از خرابی بسیار ہماری بلدیاتی حکومت نے اس طرف توجہ دی ہے اور اعلان کیا ہے کہ فی الحال تین ماہ کے لئے اس خون ریزی کا سامان بند رکھا جائے گا۔ اگر میاں عامر صاحب اس حکم پر عملدرآمد کرا لیتے ہیں تو ان کو لاہوریوں کی طرف سے شاباش ملنی چاہیے۔“

(عبدالقادر حسن، جنگ کالم،۲۶؍جون ۲۰۰۳ء)

⑫ طویل عرصے بعد یہ پہلی اتوار تھی جب لوگوں نے چھٹی کا دن اپنے گھروں میں آرام سے گذرا۔ (کالمعباس اطہر 'کنکریاں':۸ جولائی ۲۰۰۳ئ)

⑬ میاں عامر کو مبارکباد کہ انہوں نے اہل لاہور کو ایک عذاب سے بچا یا۔

(عبدالقادر حسن، جنگ کالم، ۹؍جولائی ۲۰۰۳ئ)

⑭ پتنگ بازی پر پابندی کو لاہوریئے قبول نہیں کریں گے۔ (مخالفت میں واحد آواز)

(یوسف صلاح الدین، ایکسپریس:۲ جولائی ۲۰۰۳ء)

پتنگ بازی پر پابندی

اگست ۲۰۰۳ء میں لاہور سٹی گورنمنٹ نے لاہور شہر میں پتنگ بازی پر دو ماہ کے لئے پابندی لگا دی۔ سماجی حلقوں نے اس فیصلے کو بے حد سراہا اور مطالبہ کیا کہ یہ پابندی مستقل بنیادوں پر عائد کردی جائے۔ کائٹ فلائنگ ایسوسی ایشن نے اسے ہائی کورٹ میں چیلنج کیا مگر ضلعی حکومت نے بجلی ٹرپنگ، پانی کی بندش اور پتنگ بازی کے نتیجے میں ہونے والی ہلاکتوں کے اَعداد و شمار کو اپنے دفاع میں ایں طور پیش کیا کہ ہائی کورٹ نے اس پابندی کو برقرار رکھنے

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

کی اجازت دی۔ عوام الناس نے بھی سکھ کا سانس لیا۔ مگر بسنت اور پتنگ بازی کی حامی تنظیموں اور اداروں کی طرف سے اس پابندی کے خلاف احتجاج جاری رہا۔

ضلعی حکومت کی طرف سے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جسے پتنگ بازی پر پابندی کے بارے میں سفارشات مرتب کرنے کو کہا گیا۔ ضلعی ناظم میاں عامر محمود اس کمیٹی کے سربراہ تھے، دیگر ارکان میں سینیٹر خالد رانجھا، عارف نظامی، ضیاء شاہد، مجیب الرحمن شامی، ابتسام الٰہی ظہیر، مقصود احمد قادری، حیدر علی مرزا، خالد سلطان، کائٹ ایسوسی ایشن کے ملک شفیع اور میاں عبدالوحید شامل تھے۔ مؤرخہ ۸/جنوری ۲۰۰۴ء کو کمیٹی نے اپنی سفارشات پیش کیں جس میں اتفاق رائے سے یہ مطالبہ شامل تھا کہ محض جشن بہاراں کے لئے مذکورہ پابندی غیر مشروط طور پر نہ اٹھائی جائے، دھاتی تار اور تندی کے استعمال کے باعث ہونے والے نقصان کی روک تھام کے لئے باقاعدہ قانون سازی کی جائے۔

کمیٹی کے ۸/ارکان نے پتنگ بازی پر پابندی مستقل طور پر برقرار رکھنے اور دس ارکان نے کھیل کے قواعد وضوابط وضع کرکے اس کی اجازت دینے کے حق میں رائے دی۔ کمیٹی نے تجویز کیا کہ لاہور کی حدود میں پتنگ بازی پر مستقل طور پر پابندی عائد کردی جائے، تاہم شہر سے باہر کھلے میدانوں مثلاً جلو پارک، رائے ونڈ لاہور، لاہور پارک، ڈیفنس گراؤنڈ، شاہدرہ گراؤنڈ وغیرہ تک محدود کردیا جائے۔ دھاتی تار استعمال کرنے والوں سے جرمانہ وصول کیا جائے۔ ارکانِ قومی وصوبائی اسمبلی، وزرائ، سرکاری افسران اور دیگر معروف شخصیات پتنگ بازی کی سرگرمیوں سے خود کو علیحدہ رکھیں تاکہ میڈیا ان سرگرمیوں کی نمایاں کوریج نہ کرسکے۔ موٹا دھاگہ استعمال کرنے پر پابندی کے علاوہ ان دنوں کے بعد سارا سال پتنگ اور ڈور کی خرید وفروخت پر مکمل پابندی عائد ہو۔ (نوائے وقت: ۹/جنوری ۲۰۰۴ئ)

مذکورہ بالا کمیٹی کی سفارشات کے علی الرغم حکومت پنجاب نے ۲۰/جنوری ۲۰۰۴ء سے ۲۰/فروری ۲۰۰۴ء تک پتنگ بازی سے پابندی اٹھانے کا اعلان کیا۔ البتہ دھاتی ڈور اور تندی کے استعمال پر پابندی کو بدستور برقرار رکھا۔ (نوائے وقت: ۱۵/جنوری ۲۰۰۴ئ)

سنا ہے کہ ضلعی ناظم میاں عامر محمود اس پابندی کو اٹھانے کے حق میں نہیں تھے۔ وزیراعلیٰ پنجاب جناب پرویز الٰہی بھی بسنت اور پتنگ بازی کے حامی نہیں ہیں۔ ۲۰۰۳ء کی بسنت کے موقع پر انہوں نے اپنے آپ کو بسنتی پروگراموں سے الگ تھلگ رکھا۔ وہ کسی بھی پروگرام

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

میں شریک ہوئے، نہ ہی انہوں نے سرکاری طور پر بسنت کی سرپرستی کی۔

۲۰/جنوری ۲۰۰۴ء کو پتنگ بازی پر پابندی اُٹھائی گئی۔ اس کے بعد آنے والے پہلے اتوار (۲۵/جنوری) کو تین ہلاکتیں رپورٹ ہوئیں۔ ۲۰/سالہ ناصر جاوید دھاتی تار والی پتنگ پکڑتے ہوئے کرنٹ لگنے سے جاں بحق ہوگیا۔شاد باغ کا ایک نوجوان علی موٹر سائیکل پر جا رہا تھا کہ اس کے گلے میں پتنگ کی دھاتی تار پھر گئی۔(جنگ) دریں اثنا فیروز پور روڈ پر ایک موٹر سائیکل سوار سکندر اکرام کی گردن ڈور کی زد میں آکر کٹ گئی۔(نوائے وقت)

❁ حکومتِ پنجاب کو چاہیے کہ وہ شہریوں کی قیمتی جانوں کے تحفظ کے لیے پتنگ بازی پر پابندی اُٹھانے کے فیصلہ پر نظر ثانی کرے۔

بسنت اور پتنگ بازی جیسے جان لیوا شغل پر پابندی عائد ہونی چاہیے، کیونکہ......

① ہندوؤں کے موسمی تہوار بسنت کا بنیادی فلسفہ اسلام کے ثقافتی نصب العین کے منافی ہے۔

② بسنت کے پردے میں پاکستان میں مغربی لبرل ازم کو فروغ دیا جا رہا ہے۔

③ بسنت اور پتنگ بازی کی وجہ سے انسانی جانیں غیر محفوظ ہیں۔

④ پتنگ بازی کی وجہ سے واپڈا جیسے قومی اداروں کو اربوں کا نقصان برداشت کرنا پڑا۔

⑤ بسنت کا نام نہاد تہوار اسراف وتبذیر اور فضول خرچی کا باعث بنتا ہے۔

⑥ بسنت کے موقع پر ہلڑ بازی اور شور سے سماجی سکون تلپٹ ہوتا ہے۔

⑦ یہ بات تاریخی طور پر ثابت ہے کہ لاہور میں بسنت پنچمی کا میلہ گستاخِ رسول حقیقت رائے دھرمی کی یاد میں شروع ہوا۔مسلمانوں کی دینی حمیت سے بعید ہے کہ وہ اس طرح کے میلے کو منائیں۔ (محمد عطاء اللہ صدیقی)

☆ اس جہاد میں شرکت کیلئے ادارہ محدث کا شائع کردہ کتابچہ 'بسنت' دفتر سے منگوا کر تقسیم کریں۔ قیمت ۵ روپے

افسوس ناک خبر: علمی وفکری حلقوں میں یہ خبر شدید رنج والم سے پڑھی جائے گی کہ معروف محقق جناب ریاض الحسن نوری منگل ۲۰/جنوری ۲۰۰۴ء کو فوجی ہسپتال، لاہور میں پیٹ کے مختصر آپریشن کے چند دن بعد انتقال کر گئے۔آپ اپنی منفرد کاوشوں اور نادر معلومات کا خزینہ ہونے کی حیثیت سے دینی اور قانونی حلقوں میں غیر معمولی احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ مدیر اعلیٰ اور ادارۂ محدث سے ۳ دہائیوں پر محیط گہرے تعلق میں ان کی سیکڑوں علمی کاوشیں موجود ہیں، جن میں سے متعدد محدث کے صفحات پر شائع بھی ہوچکی ہیں۔ محدث عنقریب ان کی سوانح حیات کے علاوہ علمی کارناموں کی جامع رپورٹ شائع کر رہا ہے۔

اس افسوسناک موقع پر ہم ان کی اہلیہ، بیٹی اور داماد سے تعزیت کرتے ہوئے جناب نوریؒ کی مغفرت اور بلندیٔ درجات کے لئے قارئین سے دعا کی درخواست کرتے ہیں۔ (حافظ عبد الرحمن مدنی وادارہ محدث)

www.KitaboSunnat.com